دور تابعین میں مغازی و سیرت نگاری

محمود الحسن عارف*

حدیث اور سیرت کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ''سیرت طیبہ'' کی تدوین و تالیف پر کام تو اسی دن شروع ہو گیا تھا، جس دن اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز کیا تھا؛ اور جیسے ہی آپؐ اولین وحی الٰہی کا تحمل فرما کر واپس تشریف لائے تھے، تو ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کی جن الفاظ میں پذیرائی کی تھی اسی سے آپ کی سیرت نگاری کی ابتدا ہو گئی تھی۔ (۱)

لیکن ابتدائی دنوں، یعنی عہد صحابہ میں یہ کام بغیر کسی واضح نام یا واضح عنوان کے جاری رہا اور دوسرے علوم وفنون کی طرح اس کی ابتدائی نشو ونما بھی ''علم الحدیث'' کے تحت انجام پاتی رہی۔

لیکن جلد ہی دوسرے علوم وفنون کی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی تدوین ''سیرت'' اور ''مغازی'' کے عنوانات کے تحت ہونے لگی آگے بڑھنے سے پہلے دونوں الفاظ کا لغوی تجزیہ بڑی دل چسپی کا حامل ہے۔

۱۔ سیرت کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

لفظ ''سیرت'' کا مادہ س۔ی۔ر (ساریسر سیرا و مسیرا) ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں چلنا، پھرنا چنانچہ عصر حاضر کی ایک جدید ڈکشنری میں سارَ کے معنی تحرّک (be in motin)، اشتغل (مشغول ہونا، be in actin)، دَرَجَ (داخل ہونا be casreoit) ذَہَب (جانا Depart)، تقدّم (آگے بڑھنا، to farward)، مَشَی (چلنا To move)، اور سلک (تعریف کرنا، behave) کے ہیں، جبکہ سیرۃ کے معنی رویّے اور انداز (canduct, behavior) کے ہیں (۲)

معروف ماہر لسانیات الزبیدی کے مطابق ''السیر'' کے معنی جانے اور سفر کرنے کے ہیں، خواہ یہ سفر دن

* ایسوسی ایٹ پروفیسر/سینئر ایڈیٹر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

میں ہو یا رات میں (السّیر الذهاب نهاراً اولیلاً) اورالمسیر ۃ کے معنی مسافت کے ہیں جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: نصرت بالرعب مسیرة، شهرٍ۔ (میری ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد کی گئی ہے)

سارالرجل کے معنی ذاتی طور پر چلنے اور حرکت کرنے کے ہیں اور ساربہ کے معنی ہیں چلانا یا لے جانا۔ اسی طرح سیرۃ کے معنی بھی چلانے اور لے جانے کے ہیں اور اس سے اسم فعل السیر ۃ ہے بمعنی چال) جبکہ مجازی طور پر اس کے معنی سنۃ اور طریقہ کے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے۔ سارالوالی فی رعیتبه سیرةً حسنته(والی نے اپنی رعایا میں اچھا طریقہ اختیار کیا)، اسی طرح ھیئت و حالت کو بھی سیرت کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، سَنُعِیْدُ هَاسِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی(۳) ہم اسے عنقریب اس کی ابتدائی حالت پر لوٹا دیں گے اس سے واضح ہوا کہ لغوی اعتبار سے ’’سیرت‘‘ کے معنی چلنے اور چلانے کے ہیں(۴)

جبکہ ابن منظور الافریقی کے مطابق سار یسیر سے اسم فعل السیر ۃ ہے، جس کے لغوی معنی ضربٌ من السیر یعنی ’’چال کی ایک قسم‘‘ ہے اور پھر اس کا استعمال حسن اخلاق اور حسن سیرت پر ہونے لگا چنانچہ کہا جاتا ہے۔ انه' لحسن السیرة (بے شک وہ البتہ اچھی سیرت والے ہیں)(۵)

نامور محقق اور قرآنی مفردات کے ماہر امام راغب الاصفہانی اس لفظ کے تحت فرماتے ہیں ’’السیر کے معنی زمین پر چلنے کے ہیں اور چلنے والے آدمی کو سائر اور سیار کہا جاتا ہے، اور ایک ساتھ چلنے والوں کی جماعت کو ’’سیارہ‘‘ کہتے ہیں، چنانچہ قرآن حکیم میں ہے، وَجَاءَ تْ سَیَّارَةٌ (۶) (اس کنویں کے قریب ایک قافلہ آیا) اور سیرت کے معنی ہیں، چلنا اور سیر بفلان کے معنی چلانے کے ہیں اس طرح قرآن کریم میں یہ لفظ چار معانی میں استعمال ہوا (۱) چلنا، پھرنا فرمایا: اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ (۷)‘‘ (کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں) اور (۲) چلانا، اس کے متعلق قرآن کریم میں ہے: وَسَارَ باهلبِهٖ (وہ اپنے گھر والوں کو لے کر چلے) اور حرف صلہ (باء) کے بغیر سرتہ (چلانے) کا استعمال قرآن کریم میں نہیں ہے، جبکہ چوتھی صوت تکثیر یعنی کثرت کے مفہوم میں استعمال کی ہے، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَسُیِّرت الجبالُ (اور پہاڑ چلا دیئے جائیں گے) اسی طرح اس سے بعض علما کے مطابق جسمانی اور بعض کے مطابق فکری سیاحت مراد ہے۔ (۸)

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ لفظ سیرت میں بڑی فکری وسعت پائی جاتی ہے چنانچہ ماہرین لغت

کے مطابق لفظ ''سیرۃ'' کے درج ذیل معانی ہیں:

۱۔ چلنا، جانا، روانہ ہونا۔

۲۔ سنت، طریقہ، روش۔

۳۔ مذہب و مسلک۔

۴۔ ھیت و شکل۔

۵۔ حالت و کیفیت۔

۶۔ کردار و عمل۔

۷۔ کہانی، واقعہ، پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات، جیسے سیرت سیف بن ذی یزن۔

۸۔ خصوصیت کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کا بیان اور بعد ازاں۔

۹۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کا بیان جو قرآن حکیم میں صلح اور جنگ میں آپؐ نے غیر مسلموں کے ساتھ روا رکھا۔ اور آخری صورت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات کا بیان، یعنی سوانح عمری، Biograph لیکن توسیعی صورت قوی ابطال کے حالات و واقعات، (۹)

ان معانی میں سب سے آخر میں جو مفہوم دیا گیا ہے، وہی اس لفظ کا اصطلاحی مفہوم ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی آپ کے رویئے اور مختلف کاموں کو کرنے کا آغاز اس طرح یہ لفظ اپنے اندر بڑی معنوی وسعت اور شان و شوکت رکھتا ہے۔

۲۔ مغازی کا معنی:

جبکہ دوسرا لفظ ''مغازی'' ہے، جو ابتدائی دنوں میں اس مقصد کے لیے یا زیادہ صحیح الفاظ میں نبی اکرم ﷺ کے ''غزوات'' کے لیے استعمال ہوتا رہا، عجیب بات یہ ہے کہ اس کے لغوی معنی بھی حرکت اور سفر کرنے کے ہیں۔

غزی یغزو غزواً و غزواۃً کسی شے کا ارادہ کرنا اور اس کو طلب کرنا، اور الغزوہ (حرف غین پر زیر کے ساتھ) وہ شے جس کا قصد اور ارادہ کیا جائے جبکہ غزو کے معنی ہیں ''دشمن سے لڑنے اور اس کا سامان لوٹنے کی غرض سے اس کی طرف بڑھنے کے ہیں اور لڑنے والے کو غازی (جمع غزاۃ ، غزاً) بھی کہا جاتا ہے، جبکہ مغازی کے معنی غازیوں کے فضائل و مناقب کے ہیں، جبکہ الازھری کے مطابق مغزیٰ اور مغازی کے معنی ''جائے قتال'' کے ہیں۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ دونوں میں یہ لفظ اسی معنی ومفہوم میں استعمال ہوا ہے۔(۱۰)

علماء کے ہاں ''غزوہ'' اور سریہ میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ ''غزوہ'' اس جنگ کو کہا جاتا ہے، جس جنگ میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت کی ہو اور ''سیریہ'' اسے کہتے ہیں کہ جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو امیر بنا کر ارسال کیا ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ ''غزوہ'' کے بنیادی مفہوم میں بھی (دشمن کی طرف) چلنا اور حرکت کرنا شامل ہے، گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسوانح کو چاہے ''سیرۃ''، کا نام دیا جائے، یا مغازی کا دونوں میں دنیا کے لیے حرکت کرنے چلنے اور دوسروں کو چلانے خود عمل کرنے اور دوسروں کو عمل پر متوجہ کرنے کا مفہوم شامل ہے یوں تو اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے یہ عنوانات اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار عمل اور اخلاق وسیرت کے لیے مخصوص فرما دیئے تھے یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں کبھی بھی ان الفاظ کا استعمال سابق انبیاء علیہم السلام کے کردار وعمل کے لیے نہیں ہوا تھا اور ان کا استعمال پہلی مرتبہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وکردار کے لیے ہوا اور پھر ضمنی مفہوم کے تحت دوسروں کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔

۳۔پہلی صدی ہجری میں سیرت نگاری:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں تمام ''قرآن وسنۃ'' تمام علوم وفنون کا مرجع تصور ہوتا تھا اور مسلمانوں کو کسی دوسرے علم یا فن کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی، لیکن جب صحابہ کرام کا دور آیا تو مختلف علوم وفنون ایک دوسرے سے الگ اور اس سے واضح ہونے لگے، تو اس دور میں جو علوم مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بنے، ان میں ایک ''مغازی وسیرت کا بھی تھا''۔

کتب مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی دنوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کے اخلاق وسیرت مبارکہ کے لیے لفظ سیرت ہی استعمال ہوتا تھا چنانچہ ایک حدیث نبوی میں ہے:

اللھم حَسِّن سیرتی کما حسنت صورتی۔(۱۱)

اے اللہ جس طرح تو نے میری صورت عمدہ بنائی ہے اسی طرح میرے سیرت واخلاق کو بھی عمدہ بنا دے۔

اور اس مفہوم میں ہمیں اس لفظ کا استعمال حضرت علی بن ابی طالب کے ایک خطبے میں ملتا ہے، چنانچہ مسند احمد بن حنبل میں ہے:

قام علی رضی الله عنه علی المنبر فذکر رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم و استخلف ابوبکر رضی الله عنه فعمل بعمله وَسَارَبسیرته' حتی قبضه الله عزو جل علٰی ذالك ثم استخلف عمر رضی الله عنه علٰی ذالك فعمل بعملها وسار بسیرتها حتی قبضۂ الله علٰی ذالك (۱۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ (خطبہ دینے کے لیے) اٹھے، تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور پھر فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور ان کی جگہ (حضرت) ابوبکر خلیفہ بنا دیئے گئے، تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور سیرت کے مطابق عمل کیا، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا، پھر حضرت عمرؓ ان کے جانشین بنے، تو انہوں نے ان دونوں کے طرز عمل اور سیرت کے مطابق عمل کیا، تا آنکہ ان کی وفات ہوگئی۔

اس روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دونوں کے طریقۂ عمل اور منہاج عمل کے لیے لفظ ''سیرت'' استعمال کیا ہے اور یہ وہی مفہوم ہے جس میں دوسری صدی کے نصف آخر کے بعد اس لفظ کا استعمال شروع ہوا۔ (۱۳)

اسی طرح جب صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں پر بیعت کی، تو اس وقت جو الفاظ ادا کیے جاتے تھے وہ یہ تھے:

ابایعك علیٰ و سنة رسوله و سیرة ابی بکر و عمر (۱۴)

میں آپ کی فلاں فلاں بات پر اور اس کے رسول اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے طریقے کے مطابق تیری بیعت کرتا ہوں۔

اسی طرح مسند الدارمی کے مقدمہ میں ہے:

فمارأیت قوماً اَیْسَر سیرةً منهم (۱۵)

میں نے ان سے زیادہ آسان سیرت یعنی چال چلن والا کوئی شخص نہیں دیکھا

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدائی دنوں میں لفظ سیرت کا استعمال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت مختلف لوگوں کے حالات وکوائف اور ان کے طریقوں اور رویوں پر ہوتا تھا، لیکن پھر حالات نے پلٹا کھایا اور دیکھتے

ہی دیکھتے لفظ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "سیرت" کی جگہ لفظ مغازی استعمال ہونے لگا۔

اس عنوان کی مقبولیت کی بنیادی وجہ وہ مخصوص حالات تھے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوری بعد جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوئے، کہ بیک وقت کئی محاذوں پر طویل المیعاد جنگوں کا سلسلہ ایسا شروع ہوا، جو برسوں جاری رہیں اور وقتاً فوقتاً ازسرنو شروع اور پیدا ہوتی رہیں۔ ان حالات میں سیرت عہد نبوی کا جو حصہ سب سے پہلے تابعین اور مجاہدین اسلام کی توجہ کا باعث بنا وہ انہی غزوات سرایا کا سلسلہ تھا اس طرح یہ مطالعہ ایک طرف تو مسلمانوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی سیرت سے وابستگی کا ذریعہ تھا اور دوسری طرف یہ اسلام کے نظام حرب (حربیاتُ Wars) کے مطالعے کا باعث بھی تھا۔

اس طرح یہ عہد نبوی میں ہونے والی جنگوں کی حکمت عملی، ان کے انداز اور منہج کے بارے میں عوام و خواص کی توجہ کا مرکز بن گیا۔

"مغازی رسول کی اس مقبولیت کا ایک فوری سبب اس وقت کے حالات میں جنگوں کی عوامی مقبولیت تھی قدیم عربوں کی ادبی تاریخ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کے مختلف ابطال (Heroes) تھے اور اہل عرب ان کے جنگی کارنامے اپنی مجالس میں سنتے تھے اور اس پر خوشی محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ اسلام کی آمد کے بعد جب پرانے تصورات بدل گئے اور قدیم زمانے کے ہیروز زیرو بن گئے، تو ان کی جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مغازی نے لے لی اور یہ سنی اور سنائی جانے لگیں، اور انہوں نے بہت جلد "عوام مقبول" کہانیوں کا درجہ حاصل کرلیا، اس کے لیے اس دور کے معتبر اور ثقہ لوگوں میدان عمل میں آنا پڑا اور "مغازی رسول" کی اصلی اور سچی کہانیاں لوگوں کو بتانا پڑیں۔

اس دور میں جو حضرات مغازی نگاری میں زیادہ معروف ہوئے، ان میں حضرت عبداللہ بن عباس بھی تھے، چنانچہ ان کے ایک شاگرد عبداللہ بن عتبہ ان کے متعلق نقل کرتے ہیں:

ولقد کان یجلس یوماً لایذکر الاالفقه ویوماً التا ویل ویوماً المغازی ویوماً الشعر ویوماً ایام العرب (۱۷)

حضرت عبداللہ بن عباس کسی روز صرف فقہ پر، کسی روز تفسیر قرآن پر، کسی دن سیرت ومغازی پر، کسی دن شعروشاعری پر اور کسی دن قدیم عربوں کے حالات پر گفتگو فرماتے تھے۔

اسی طرح انہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق ان کے ایک اور شاگرد بتاتے ہیں:

ہم ان کی خدمت میں آتے، تو شام کے پورے وقت میں وہ ہمارے سامنے مغازی بیان کرتے، انہوں نے اس بارے میں جو کچھ لکھا وہ اتنا تھا، کہ ایک اونٹ کا بوجھ ہوسکتا تھا۔ (۱۸)

اسی بنا پر ابتدائی دوصدیوں میں ''سیرت طیبہ'' پر مدون ہونے والا سرمایہ اسی عنوان کے تحت مرتب کیا گیا تاہم جلد ہی ایک اور تبدیلی آتی اور دوسری صدی ہجری میں ''مغازی'' کے ساتھ ساتھ ''سیرۃ'' کا لفظ بھی اسی معنی و مفہوم میں استعمال ہونے لگا، جس کا ابتدائی ثبوت ہمیں ''محمد بن اسحاق'' کی کتاب کے نام سے ملتا ہے جو اس طرح تھا: کتاب السیرۃ و المبتدا والمغازی (۱۹)

یہاں انہوں نے کتاب کے نام میں ''سیرۃ'' اور مغازی دونوں الفاظ کو جمع کیا ہے، جس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں ''المغازی'' کا نام ''سیرۃ'' طیبہ کے لیے زیادہ معروف تھا جیسا کہ الواقدی، (م ۲۰۷ھ/۸۲۲ء)، معمر بن راشد (۱۵۴ھ)، اور ابوالحسن علی بن محمد المدائنی (۲۳۵ھ)، اور موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) کے ہاں ملتا ہے تاہم اس دور میں سیرۃ کا لفظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں کے حالات وسوانح نے دونوں کے لیے مستعمل تھا۔ (۲۰)

پھر جب عبدالملک بن ھشام، المعروف بہ ابن ھشام (م ۲۱۳ھ) نے محمد بن اسحاق کی السیر ۃ کو تہذیب و تلخیص کے ساتھ طبع کیا اور اس کا نام ''السیرۃ النبویۃ'' رکھا تو اس کے بعد رفتہ رفتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے لیے المغازی کا نام متروک ہوگیا اور ''سیرۃ'' کا عنوان اس مقصد کے لیے وسیع پیمانے پر اختیار کرلیا گیا چنانچہ اس کے بعد کتابوں کے ناموں میں ہمیں یہ تبدیلی واضح طور پر نظر آتی ہے پھر ایک وقت آیا کہ جب یہ لفظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وشمائل کے لیے مخصوص ہوگیا یہ استحکام تیسری اور چوتھی صدی میں جا کر پیدا ہوا۔ چنانچہ چوتھی صدی ہجری میں اس نوع کی ہمیں کئی کتابیں ملتی ہیں، جن میں یہ تبدیلی محسوس کی جاسکتی ہے۔

بطورِ مثال ابوالحسن احمد بن فارس بن زکریا اللغوی (م ۳۹۵ھ) کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جن کی کتاب ''مختصر سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یا اوجز سیر خیر البشر ہے'' جو بمبئی اور انقرہ وغیرہ سے طبع ہوچکی ہے۔

۳۔ تدوین سیرۃ میں غیر عربوں کی خدمات:

جب دنیا میں اسلام کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا تو اس وقت پوری دنیا میں عموماً اور جزیرہ نمائے عرب و حجاز میں خصوصاً غلامی کا دور دورہ تھا اسلام اگر چہ غلامی کے خلاف ہے، لیکن چونکہ اس وقت کے حالات میں اسے

یک طرفہ طور پر ختم کرنا ممکن نہ تھا، اس لیے اسے ایک وقتی برائی کے طور پر قبول کر لیا گیا اور ایسی ہدایات اور تعلیمات دی گئیں، جن کے زیر اثر آہستہ آہستہ دنیا سے غلامی کا سد باب ہو جاتا۔

غلامی کے اس نظام میں جہاں بہت سی خرابیاں اور برائیاں تھیں، وہاں کچھ خوبیاں بھی تھیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ اس سے ایک ایسا مخلوط معاشرہ وجود میں آتا تھا، جس میں دنیا بھر کی اقوام کی نمائندگی ہوتی تھی چنانچہ اسلامی فتوحات کے نتیجے میں جب بیرون عرب یا عجم کے مختلف خطوں کے لوگ غلام بنا کر اسلامی معاشرے میں لائے گئے، تو اس سے وہ وسیع علمی اور فکری تحریک برپا ہوئی، جس نے قدیم یونان کی یاد دلوں سے محو کر دی۔

چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دوسرے علوم وفنون کی طرح ''علم السیر ۃ والمغازی'' میں عجمیوں یا غیر عربوں نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے یہ غلام ایسے ماحول یا ایسے علاقے یا ایسے خاندانوں سے سرزمین عرب میں آئے یا لائے گئے تھے، جن کا ماضی علمی اور فکری روایات کا حامل تھا یا وہ غیر عربوں میں لکھنے لکھانے اور پڑھنے پڑھانے کے طور طریقوں سے واقف تھے اور انہوں نے اپنی اپنی خاندانی یا قومی روایات کو عرب کی سرزمین پر متعارف کرایا عہد نبوی میں اس نوع کی مثال حضرت سلمان فارسی اور ان کی غزوۂ خندق کے موقع پر دیئے جانے والے مشورے سے دی جا سکتی ہے، جبکہ سیرت نگاری کے میدان میں اس کی واضح ترین مثال امام السیر ۃ و المغازی ''محمد بن اسحاق'' کی ہے، جن کے اجداد کا تعلق ایران کے خطے سے بیان کیا جاتا ہے۔(۲۱)

اس طرح اسلام کو علوم وفنون کی تدوین کے اس دور میں غیر عربی نسل سے تعلق رکھنے والے ایسے بلند پایہ علماء کی خدمات حاصل ہو گئیں، جو دنیا کے مختلف متمدن علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، اور یوں اس بابرکت علم کی تدوین میں عرب وعجم کی مہارتوں اور محنتوں نے باہم مل کر ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ جس میں اس علم کی نشوونما اور اس کی تصنیف وتدوین کو مثالی ماحول میسر آ گیا۔

یہاں ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ علوم وفنون اسلامیہ کی تدوین میں مسلمانوں نے غیر عربوں کے علوم و فنون سے مدد لی تھی جس طرح مستشرقین کا یہ دعوٰی ہے، البتہ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کو ایسے لوگ ضرور میسر آ گئے، جن کی تعلیم وتربیت غیر عربوں کے علوم وفنون کی روشنی میں ہوئی تھی اور جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کے سابقہ مذاہب تو ان کے پیچھے رہ گئے، البتہ ان کا ذہنی اور فکری مستویٰ علوم اسلامیہ کی خدمت اور ان کی ترقی کے لیے بے حد مفید ثابت ہوا۔

اس ضمن میں بطور مثال حضرت عبد اللہؓ بن سلام، حضرت کعب الاحبارؒ اور وہب بن منبہؒ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ تینوں حضرات قبول اسلام سے قبل قدیم علوم وفنون میں ایک مسلمہ مقام کے حامل تھے، اور جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی علوم سابقہ میں مہارت اور تبحر اسلام کے کام آیا اور گو ابتدائی سالوں میں ان تینوں حضرات سے اسرائیلیات کی صورت میں ہمیں یہود و نصاریٰ کی روایات کے انبار کا بھی سامنا کرنا پڑا، (۲۲)، جنہوں نے مسلمانوں کے علوم وفنون پر قدرے منفی اور غیر مفید اثر ڈالا، لیکن اپنے بزرگوں کے حالات زندگی مرتب اور مدون کرنے میں ان بزرگوں کی مہارت نے مسلمان علماء کی بے حد مدد کی۔

اب یہ ثابت ہو چکی ہے کہ شام، عراق اور یمن کے علاقوں میں قدیم زمانے سے تصنیف و تالیف، خصوصاً بزرگوں کی سوانح عمری اور قدیم لوگوں کے حالات زندگی کو جمع کرنے اور روایت کرنے کی روایت کسی حد تک موجود تھی، جس کا تذکرہ ابن الندیم (۲۳) اور دوسرے مؤلفین نے کیا ہے۔

اسی لیے دوسری صدی ہجری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ''سیرت طیبہ'' کی تدوین میں جو وسعت پیدا ہوئی، اس میں عربوں کے ساتھ ساتھ غیر عربوں کی فکری اور ذہنی صلاحیتوں نے بھی بڑا کام کیا اور ان کے ذہن اسلامی علوم وفنون کی کاشت کے لیے بے حد موزوں ثابت ہوئے اور یوں دنیا کا ایک بہترین ''علم'' تخلیق پا گیا۔

۳۔ عہد تابعین کے اہم ترین سیرت ومغازی نگار:

اس طرح ''مغازی وسیرت نگاری'' کا فن بنیادی طور پر ''علم الحدیث'' ہی سے پیدا ہوا اور عمومی لحاظ سے اسے اسی کی ایک شاخ اور فرع قرار دے سکتے ہیں، تاہم حدیث اور سیرت میں بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ بنیادی فرق یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں مین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک مربوط واقعے کے طور پر تذکرہ نہیں ہے، بلکہ ان میں اس دور کے مختلف واقعات کے متعلق کسی ایک واقعے کا ذکر ہوتا ہے، اس لیے ہر محدث کو سیرت نگار اور ہر سیرت نگار کو محدث قرار نہیں دیا جا سکتا (۲۴)

سیرت ومغازی کی ابتدائی نشوونما:

تاریخ کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ اسلام سے قبل عربوں کے ہاں تصنیف و تالیف کی کوئی مستحکم روایت موجود نہ تھی، بلکہ اپنے بزرگوں یا قدیم تاریخ کے متعلق چند روایات کا ذخیرہ تھا، جو ان کے بڑے بزرگ لوگ روایت

کرتے تھے اس طرح ان کے پاس جو بھی تاریخی یا فکری سرمایہ تھا، وہ محض چند روایات تک محدود تھا حتی کہ مکہ مکرمہ میں لکھنے لکھانے کا فن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند برس پہلے پہنچا تھا اور جب اسلام آیا اس وقت ''مکہ مکرمہ'' میں کل سترہ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

پھر جب اسلام آیا اور قرآن کریم کا نزول ہوا، تو یہ تمام مسلمانوں کی توجہ کا مرکز بن گیا اور پڑھنے پڑھانے اور لکھنے لکھانے کی تمام سرگرمیاں اسی کے گرد گھومنے لگیں۔ دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا سرمایہ زیادہ تر زبانی نقل وروایت کے ذریعے اگلی نسل تک منتقل ہوتا رہا۔

تاہم جلد ہی یہ احساس پیدا ہوا کہ عربوں کی قدیم تاریخ کو مدون کرنا چاہیے چنانچہ امیر معاویہ (۴۰-۶۰ھ) نے عبید بن شریہ الجرہمی کو صنعاء (یمن) سے بلوایا، جنھوں نے ان کے لیے ''كتاب الملوك'' و اخبار الماضيين (۲۵) تصنیف کی۔

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب نے حضرت امیر معاویہ کی طرف سے قدیم تاریخ کو اسلام سے الگ کر کے مدون کرنے کی یہ کوشش پسند نہیں کی، چنانچہ اس کی جگہ، علماے اسلام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی مرتب اور مدون کرنے کو ترجیح دی اور قدیم تاریخ کو اس کے تابع کر کے پیش کیا اس دور میں احادیث کی تدوین بھی ابھی شروع ہوئی تھی، اسی لیے بہت سے علمانے قدیم تاریخ نگاری کی جگہ ''سیرت نگاری'' شروع کر دی۔

چنانچہ بہت سے ''محدثین'' نے سیرت طیبہ پر ''سرمایہ'' جمع کیا اور یوں عرب کی سرزمین پر قرآن کریم کے بعد سب سے پہلی کتابیں سیرت طیبہ پر مرتب کی گئیں۔

جب معروف جرمن مستشرق وسٹفلٹ (wustenfldt) نے ۱۸۸۲ء میں ''عرب کے مؤرخین'' پر اپنی کتاب شائع کی (۲۶) تو انہوں نے سنین وفات کی ترتیب کے مطابق ان کے ناموں کو مرتب کیا اور ابن اسحاق سے قبل ۲۷ مؤرخین کا ذکر کیا ان کی مرتب کردہ فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (م ۵۰ھ)

۲۔ زیاد بن ابی سفیان (م ۵۳ھ)

۳۔ مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ (م ۵۴ھ)

۴۔ دغفل بن الذھلی رضی اللہ حنظلہ

۵۔ عبید بن شریہ

۶۔ ابوکلاب وقاع لسان الحمرہ

۷۔ الحطیف بن زید بن جعونہ

۸۔ زید بن کیاس النمری

۹۔ ابن الکوا الیشکری۔

۱۰۔ یزید بن بکر بن داب اور اس کے بیٹے عیسیٰ اور یحییٰ۔

۱۱۔ علاقہ بن کریم الکلابی۔

۱۲۔ صحار بن عباس (یا عباس) الکلابی۔

۱۳۔ عروہ بن الزبیر۔ (م ۹۴ھ)

۱۴۔ صالح بن عران الصفدی۔

۱۵۔ عامر الشعبی۔

۱۶۔ وھب بن منبہ (م ۱۱۰ یا ۱۱۴ھ)

۱۷۔ قتادہ بن دعامہ السدوسی

۱۸۔ ابن شہاب الزہری (م ۱۲۱ھ)

۱۹۔ ابومخنف لوط۔

۲۰۔ شبیل بن عروہ (عرزہ) الضبعی۔

۲۱۔ موسیٰ بن عقبہ۔

۲۲۔ ابوعمیر مجاھر بن سعید الھمدانی۔

۲۳۔ شرقی بن قطامی

۲۴۔ طریف بن طارق المدنی۔

۲۵۔ عبداللہ بن عباس بن ابی ربیعہ المتوف۔

۲۶۔ محمد بن السائب الکلبی۔

۲۷۔ عوانہ بن الحکم (۲۷)

اس موقع پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان میں سے چند لوگوں کے مختصر حالات زندگی اور کوائف بھی دیئے ہیں جن کو سامنے رکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کا تعلق علم الانساب یا علم التاریخ سے تھا اسی لیے ان کی اکثریت کو مؤرخ تو قرار دیا جا سکتا ہے، مگر سیرت و مغازی نگار قرار نہیں دیا جا سکتا، اس نسبت سے سیرت نگاروں کی فہرست کے طور پر انہیں نقل کرنا وسٹنفلٹ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تسامح ہے۔

بہر حال فہرست میں سے، سیرت نگاروں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ عروہ بن زبیرؒ

۲۔ وھب بن منبہؒ

۳۔ محمد بن شھاب الزھریؒ (م ۵۲۔۱۲۱ھ)

۴۔ محمد بن اسحاقؒ

جبکہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق وسٹنفلٹ نے درج ذیل سیرت نگاروں کا ذکر نہیں کیا:

۵۔ ابان بن عثمان بن عفانؒ (م ۱۰۳ھ)۔

۶۔ یزید بن ابی حبیبؒ (م ۱۲۰ھ)۔

۷۔ معمر بن راشد (م ۱۵۳ھ) (۲۸)

جبکہ دوسری طرف جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زبانی روایت کی صورت میں سیرت نگاری کی ابتدا تو خود عہد نبوی سے ہو چکی تھی اور جب یہ سلسلہ عہد تابعین تک پہنچا تو اس میں مزید زور اور شدت پیدا ہو گئی تو ہمیں یہ فہرست بہت مختصر اور چھوٹی دکھائی دیتی ہے، چنانچہ ایک دوسرے مآخذ میں (سیرت نگاروں) کی جو فہرست دی گئی ہے، وہ خاصی طویل ہے، اس میں درج ذیل افراد کے نام شامل ہیں:

۱۔ القاسم بن محمد ابی بکر الصدیق (م ۱۰۷ھ)

۲۔ وھب بن منبہ (م ۱۴۴ھ)

۳۔ شرحبیل بن سعید (م ۱۲۳ھ)

۴۔ ابوروح یزید بن رومان الاسدی (م ۱۳۰ھ)

۵۔ ابوالاسود محمد بن عبدالرحمان بن نوفل الاسدی، یتیم عروہ (م ۱۳۱ھ)

۶۔ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (م مابین ۱۳۰۔۱۳۵ھ)

۷۔ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ)

۸۔ محمد بن اسحاق بن یسار المدنی (م ۱۵۱ھ)

۹۔ یونس بن یزید الایلی (م ۱۵۲ھ)

۱۰۔ معمر بن راشد البصری (م ۱۵۴ھ)

۱۱۔ ابومعشر السندی (م بعد از ۱۷۰ھ)

۱۲۔ ابواسحاق الفزاری (م ۱۸۶ھ)

۱۳۔ ولید بن مسلم الدمشقی (۲۹)

دوسری صدی ہجری میں جن حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر داد تحقیق دی، ان میں درج ذیل حضرات شامل ہیں:

۱۔ محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ/۲۲۸ء)

۲۔ عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (م ۲۱۱ھ/۶۲۸ء)

۳۔ سعید بن المغیرہ بن الصیاد المصیصیؒ (م ۲۲۰ھ/۸۳۵ء)

۴۔ احمد بن محمد الوراق (م ۲۲۸ھ/۸۴۲ء)

۵۔ محمد بن سعد بن منیع الزہری (۲۳۰ھ/۷۴۴ء)

۶۔ محمد بن عائذ القرشی (م ۲۲۴ھ/۸۳۸ء)

۷۔ سلیمان بن طرخان التیمی (م ۲۴۵ھ/۸۵۹ء) (۳۰)

۸۔ ھشام بن عمار (م ۲۴۵ھ/۸۵۹ء)

۹۔ سعید بن یحییٰ الاموی (۲۴۹ھ/۸۶۳ء)

۱۰۔ عمر بن شبہ بن عبید (م ۲۶۲ھ/۸۷۵ء)

وغیرہ حضرات شامل ہیں (۳۱)

اسی مصنف نے ان مصنفین سیرت کو کئی طبقات میں تقسیم کیا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے

۱۔طبقہ اولیٰ:

اس طبقے میں حضرت ابان بن عثمان، حضرت عروہ (۳۲) شرحبیل اور وھب بن منبہ (۳۳) شامل ہیں ان لوگون کی کتابیں ہم تک نہیں پہنچیں البتہ سیرت اور حدیث وغیرہ کی معتبر کتب میں ان سے بہت بڑی روایات ہم تک پہنچی ہیں۔(۳۴)

۲۔طبقہ دوم:

اس طبقے میں حضرت عبداللہ بن ابی بکر، عاصم، اور الزھری، (۳۵) شامل ہیں، اس طبقے کی کتب بھی ہم تک نہیں پہنچیں البتہ کتب حدیث وسیرت میں ان کی رویات شامل ہیں۔(۳۶)

۳۔طبقہ سوم:

اس طبقے میں (۱) موسیٰ بن عقبہ (۲) معمر بن راشد اور (۳) محمد بن اسحاق سے شامل ہیں۔(یہ تینوں امام زھری کے شاگرد ہیں): (۴) الفزاری (۵) الولید، (۶) الواقدی (۳۷)(۷) عبدالرزاق (۳۸)(۸) المصیصی (۹) ابن سعد، (۳۹)(۱۰) الاموی، (۱۱) الواراق، (۱۲) ابن عائذ، (۴۰)(۱۳) ابن ابی شیبہ (۴۱)(۱۴) ابن طرخان، (۱۵) ابن عمار شامل ہیں۔

اس طبقے میں شامل علماء کی کتابوں کے اجزا ہم تک پہنچ سکے ہیں۔(۴۲)

اسی طرح ابتدائی صدیوں کے سیرت نگاروں کی درج ذیل تفصیل دی گئی ہے:(۴۳)

۱۔ سھل بن ابی حثمہ (وفات مابین۔۴۱۔۶۱ھ/۶۶۱۔۶۶۲ء)

۲۔ سعید بن سعد بن عبادہ الخزرجی

۳۔ عبداللہ بن عباس (م ۶۸ھ/۶۸۷ء)

۴۔ عروہ بن الزبیر (م۹۴ھ/۷۱۲ء)۔

۵۔ سعید بن المسیب المخزومی (م۹۴ھ/۷۱۲ء) ان کا شمار امام زھری کے اساتذہ میں ہوتا ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور فتوحات کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے ان سے امام الطبری نے روایت کی ہے(۴۴)

۶۔ ابوفضالہ عبداللہ بن کعب بن مالک (۹۷ھ/۷۱۵ء) ان سے محمد بن اسحاق نے اپنی کتاب السیر ۃ میں اور ابو جعفر الطبر ی نے اپنی تاریخ میں روایت نقل کی ہے۔

۷۔ حضرت ابان بن عثمان (م مابین ۱۰۱۔۱۰۵ھ/۷۱۹۔۷۲۳ء) ان سے امام مالک بن انسؒ نے الموطا میں اور ابن سعد اور الطبر ی نے روایات لی ہیں۔(۴۵)

۸۔ یزید بن حبیب (م ۱۲۸ھ/۷۴۵ء): ان کا شمار محمد بن اسحاق (صاحب السیر ۃ النبویہ) کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔

۹۔ عامر بن شراحیل الشعبی (م ۱۰۳ھ/۷۲۱ء)، ان سے ابو اسحاق السبیعی، سعید بن مسروق، سفیان الثوری، اعمش، قتادہ اور مجاہد بن سعید جیسے لوگ روایت کرتے ہیں۔

۱۰۔ القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق: (م ۱۰۷ھ/۷۲۵ء)

ان سے امام ابوجعفر الطبر ی، البلاذری اور الواقدی نے روایت کی ہے۔

۱۰۔ وھب بن منبہ (م ۱۱۴ھ/۷۳۲ء) ان سے ابن اسحاق، ابن قتیبہ، المسعودی، المقدسی، الطبر ی، اور الکسائی نے روایات نقل کی ہیں۔

۱۱۔ حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۰ھ/۷۳۷ء): وہ ثقہ راوی تصور ہوتے ہیں، ان سے ابن اسحاق، الواقدی، الطبر ی اور ابن سعد نے روایت کی ہے۔

۱۲۔ شرحبیل بن سعید بن سعد بن عبادہ (م ۱۲۳ھ/۷۴۰ء): ان سے یحییٰ بن سعید الانصاری، ابن اسحاق اور امام مالک نے روایت کی ہے۔

۱۳۔ محمد بن مسلم الزھری (م ۱۲۴ھ/۷۴۱ء): ان سے کتب ستہ کے علاوہ امام الطبر ی اور دوسرے مؤرخین اور سیرت نگار روایت کرتے ہیں۔

۱۴۔ ابواسحاق السبیعی (م ۱۲۷ھ/۷۴۴ء) ان سے راویوں کی ایک جماعت روایت کرتی ہے، ثقہ راوی تھے، مگر آخر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔

۱۵۔ یعقوب بن عتبہ بن المغیر ہ المدنی (م ۱۲۸ھ/۷۴۵ء): ان سے محمد بن اسحاق اور ابراہیم بن سعد روایت کرتے ہیں۔

۱۶۔ ابو روح یزید بن رومان الاسدی، المدنی (م۱۳۰ھ/۷۴۷ء): ان سے الواقدی اور ابن سعد روایت کرتے ہیں۔

۱۷۔ ابوالاسود المدنی، محمد بن عبدالرحمان بن نوفل، یتیم عروہ، انہوں نے حضرت عروہ بن زبیر (م۹۳ھ) سے ان کی مغازی روایت کی ہے۔

۱۸۔ عبداللہ بن حزام (م مابین ۱۳۰۔۱۳۵ھ/۷۴۷۔۷۵۲ء): ان سے امام احمد بن حنبل، الواقدی، الطبری، اور ابن کثیر روایت کرتے ہیں۔

۱۹۔ داؤد ابن الحصین الاموی (م۱۳۵/۷۵۲ء): ان سے امام مالک اور محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے۔

۲۰۔ موسیٰ بن عقبہ (م۱۴۰۔۱۴۱/۷۵۸ء) معروف سیرت و مغازی نگار۔

۲۱۔ سلیمان بن طرخان التیمی (م۱۴۳ھ/۷۶۰ء): انہوں نے السیرۃ الصحیحہ کے عنوان سے سیرت طیبہ پر کتاب لکھی، جس کے صرف ۲۲ صفحات دریافت ہوئے ہیں، جسے فان کریمر نے الواقدی کی المغازی کے ہمراہ اس کے آخر میں طبع کر دیا ہے۔

۲۲۔ محمد بن اسحاق (م۱۵۰یا۱۵۱ھ/۷۶۷ء) معروف ترین سیرت و مغازی نگار۔

۲۳۔ یونس بن یزید الایلی (م۱۵۳ھ/۷۶۹ء) ان کا شمار الزھری کے راویوں میں ہوتا ہے۔

۲۴۔ معمر بن راشد (م ۱۵۰ یا ۱۵۳ھ/۷۶۷یا۷۷۰ء): ان سے بہت سے مؤرخین اور سیرت نگاروں نے روایات لی ہیں۔

۲۵۔ ابو محمد عبدالرحمان بن عبدالعزیز الحنفی (م۱۶۲ھ/۷۷۸ء): الواقدی، اور العتیبی نے ان سے روایت نقل کی ہے۔

۲۶۔ محمد بن صالح بن دینار، معروف محدث اور راوی۔

۲۷۔ عبداللہ بن جعفر المخزومی المدنی (م۱۷۰ھ/۷۸۶ء)۔

۲۸۔ ابومعشر السندی (م۱۷۰ھ/۷۸۶ء)، الواقدی اور ابن سعد نے ان سے روایت کی ہے۔

۲۹۔ عبدالملک ابوبکر محمد بن محمود بن حزام المدنی (م مابین ۱۶۷ھ۔۱۷۷ھ/۷۸۳۔۷۹۳ء)

۳۰۔ علی بن مجاہد بن مسلم القاضی الکابلی (م بعد از ۱۸۲ھ/۷۹۸ء)

۳۱۔ زیاد البکائی (م۱۸۳ھ/۷۹۹ء) ابن اسحاق کے معروف راویوں میں سے ایک۔

۳۲۔ ابو اسحاق الفزاری، ابراہیم بن محمد بن الحارث (م۱۸۶ھ/۸۰۲ء) ان کی کتاب کا مخطوطہ جامع القرویین میں ہے۔

۳۳۔ سلمہ بن الابرش الانصاری (م۱۹۱ھ/۷۰۶ء) انہوں نے سیرت پر ایک کتاب لکھی، مگر وہ ضائع ہوگئی۔

۳۴۔ یحییٰ بن سعید الاموی (م۱۹۴ھ/۸۰۸ء)، ان کا صاحب کشف الظنون نے ذکر کیا ہے۔

۳۵۔ ولید بن مسلم الدمشقی، (م۱۹۵یا۱۹۶ھ/۸۱۱)، الاشبیلی نے فہرست میں ان کا ذکر کیا ہے۔

۳۶۔ یونس بن بکیر (م۱۹۹ھ/۸۱۴)۔

۳۷۔ ابو حذیفہ اسحاق بن بشر بن محمد البخاری (م ۲۰۶ھ/۸۲۱ء) ابن الندیم نے الفہرست میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

۳۸۔ ابو العباس وھب بن جریر بن حازم الازدی (۲۰۶ھ/۸۲۱)، انہوں نے بھی ابن اسحاق کی سیرت کو روایت کیا ہے۔

۳۹۔ محمد بن عمر الواقدی، (م۲۰۷ھ/۸۲۳ء)، صاحب کتاب المغازی اور معروف مغازی نگار۔

۴۰۔ الھیثم بن عدی بن عبدالرحمان الثعلبی (م ۲۰۷ھ/۸۲۲ء) انہوں نے کتاب التاریخ لکھی ہے، مگر ان کی کتاب ہم تک نہیں پہنچ سکی۔ حافظ ابن حجر نے انہیں اخباری اور علامہ لکھا ہے۔

۴۱۔ عبدالرزاق الصنعانی (م ۲۱۱ھ/۸۲۶ء)، ان کی روایات کتب ستہ میں مروی ہیں، وہ بہت بڑے محدث تھے۔

۴۲۔ عبدالملک بن ھشام (م۲۲۲ھ) انہوں نے سیرت ابن اسحاق کی تلخیص اور تہذیب کی۔

۴۳۔ سعید بن المغیرہ المصیصی (م۲۲۰ھ/۸۳۵ء)، امام النسائی نے ان سے روایات لی ہیں۔

۴۴۔ الازرقی ابو الولید محمد بن عبداللہ (م۲۲۳ھ/۸۳۷ء)

۴۵۔ علی بن محمد المدائنی (م۲۲۹ھ/۲۲۹ء)۔ بہت بڑے محدث اور اخباری تھے۔

۴۶۔ صالح بن اسحاق الجرمی النحوی، (م ۲۲۵ھ/۸۳۹ء) انہوں نے سیرت اور عجیب وغریب خبروں کے متعلق کتاب لکھی ہے، جیسا کہ خطیب البغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے۔

۴۷۔ احمد بن محمد الوراق سنن ابن داؤد میں ان سے روایات مروی ہیں۔

۴۸۔ محمد بن سعد (م۲۳۰ھ/۸۴۴ء)، صاحب الطبقات الکبرای۔

۴۹۔ محمد بن عائذ القرشی (م۲۳۴ھ/۸۴۹ء)، ابوداؤداور النسائی میں روایات مروی ہیں۔

۵۰۔ عبداللہ بن محمد بن علی، بن نفیلی الحرانی (م۲۳۴ھ/۸۴۹ء)، انہوں نے کتاب المغازی کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔

۵۱۔ ابن ابی شیبہ ابوبکر عبداللہ بن محمد (م۲۳۵ھ/۸۴۹ء)، معروف محدث ہیں، ان سے صحیحین اور سنن ابی داؤد میں احادیث مروی ہیں۔

۵۲۔ ھشام بن عمار (م۲۴۵ھ/۸۵۹ء)

۵۳۔ سعید بن یحیٰ الاموی (م۲۴۰ھ/۸۵۴ء) سنن ابی ماجہ کے سوا باقی کتب ستہ میں ان سے روایات مروی ہیں۔

۵۴۔ الزبیر بن بکار (م۲۵۶ھ/۸۶۹ء)، انہوں نے ازواج النبی کے عنوان سے کتاب لکھی۔

۵۵۔ احمد بن الحارث لخرازی (م۲۵۸ھ/۸۷۱ء)، ان کی مغازی النبی کے عنوان سے ایک کتاب ہے۔

۵۶۔ عمر بن شبہ (م۲۶۲ھ/۸۷۴ء)، انہوں نے تاریخ المدنیۃ المنورہ لکھی ہے، جو مطبوع ہے۔

۵۷۔ عبدالملک بن محمد الرقاشی البصری، (م۲۷۶ھ/۸۸۹ء)، ان کی کتاب مغازی النبی ہے۔(۴۶)

ابتدائی صدیوں کی ان فہرستوں پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ابتدائی دنوں میں ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاری کا رجحان ایک طاقت ور تحریک کی شکل اختیار کرگیا تھا اور اتنی کثرت کے ساتھ اس موضوع پر خامہ فرمائی کی گئی کہ اس کی کوئی اور مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ہے، تاہم افسوس کہ یہ ذخیرہ دستبرد زمانہ کا شکار ہوگیا اور ہم تک نہیں پہنچ سکا۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) البخاری، کتاب کیف کان بدء الوحی، حدیث۴۔
(۲) االقاموس العصری، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۵۰، بذیل مادہ۔ص ۳۲۸۔
(۳) طٰہٰ، ۲۰/ ۲۷
(۴) الزبیدی، تاج العروس، تحقیق مصطفیٰ حجازی، مطبوعہ کویت ۱۹۷۳، ۱۶/ ۱۱۶۔۱۱۷۔
(۵) ابن منظور، لسان العرب، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت بذیل مادہ
(۶) یوسف، ۱۲/ ۱۹۔
(۷) یوسف، ۱۲/ ۱۰۹۔
(۸) راغب اصفہانی، مفردات، بذیل مادہ.
(۹) ڈاکٹر سید عبداللہ، مقالہ سیرت، دراردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۱/ ۵۔۵
(۱۰) ابن منظور، لسان العرب، ۱۰/ ۶۸۔ بذیل مادہ غزوہ؛ نیز راغب الاصفہانی، مفردات، بذیل مادہ.
(۱۱) احمد بن حنبل، مسند احمد، بامداد اشاریہ۔
(۱۲) احمد بن حنبل، مسند احمد، ۱/ ۱۲۸ حدیث ۱۰۵۵، مطبوعہ مصر
(۱۳) اس عنوان پر مزید تفصیل ابن الندیم کی الفہرست اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون سے معلوم کی جاسکتی ہے۔
(۱۴) مسند احمد، ۱/ ۱۲۸۔
(۱۵) مسند دارمی، مقدمہ، ص ۱۸۔
(۱۶) الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۳/ ۲۵؛ مطبوعہ ابن سعد، طبقات، ۲/ ۲۔ ۱۲۱۔۱۲۲۔
(۱۷) ابن سعد، الطبقات، ۲/ ۳۶۸۔
(۱۸) الذہبی، سیر اعلام النبلا، ۳/ ۳۳۵۔
(۱۹) ابن الندیم، الفہرست، ص ۱۰۵۔
(۲۰) ابن الندیم نے اس دور میں مرتب ہونے والی متعدد کتب کے حوالے دیئے ہیں۔ جن کے ناموں میں سیرۃ کا لفظ شامل تھا جیسے کتاب سیرۃ ابی بکر وفاتہ (ص ۱۳۲)، کتاب سیرۃ اردشیر، کتاب سیرۃ انوشرواں، کتاب سیرۃ عثمان (ص ۲۴۶)، کتاب سیرۃ عمر (ص ۲۴۶) وغیرہ.

(۲۱) تفصیل کے لیے آئندہ اوراق میں محمد بن اسحاق کے حالات زندگی۔

(۲۲) یاد رہے کہ ان تینوں حضرات کو اسرائیلیات کے رساطین قرار دیا جاتا ہے۔ (دیکھیے: راقم الحروف کا مقالہ اسرائیلیات، در تکملہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ)۔

(۲۳) دیکھیے، ابن الندیم، الفہرست، طبع فلوگل بذیل سیرۃ، بذیل اشاریہ۔

(۲۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مقدمہ سیرت محمد بن اسحاق، ص لب۔

(۲۵) ابن الندیم، الفہرست، ص۸۹: اس کے متعلق ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ اُس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، مگر آپ سے کچھ نہیں سنا امیر معاویہ کے کہنے پر اس نے کتاب الامثال اور کتاب الملوک مرتب کی، اُس نے طویل عمر پائی (المعارف، مطبوعہ لائیڈن، ص ۲۶۵)۔

(۲۶) مطبوعہ گوٹنجن ۱۸۸۲ء۔

(۲۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مقدمہ، سیرۃ ابن اسحاق، مطبوعہ لاہور، ص تج بحوالہ وُسٹنفلٹ، مؤرخو العرب (The Arab Historians)

(۲۸) ایضاً، مقدمہ سیرت محمد بن اسحاق، ص یو۔ یز ان حضرات کے تفصیلی حالات کتب سوانح و تذکرہ میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

(۲۹) سیرۃ خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق سید مصطفیٰ سبیہ، مکۃ المکرمہ، ۲۰۰۱ء موسوعۃ بذیل مؤلفو السیرۃ، ص۶۴-۶۵۔

(۳۰) ایضاً۔

(۳۱) ایضاً، ص۶۵۔

(۳۲) ایضاً ص ۶۵۔ ۱۴۰۲ھ میں ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے ان کی کتاب ''مغازی عروہ'' تحقیق کے ساتھ شائع کر دی ہے۔(مطبوعہ الریاض ۲۰۰۲ء)

(۳۳) یہ دراصل ان کی مختلف کتب میں موجود روایات کا مجموعہ ہے۔

(۳۴) نامور مستشرق بیکر نے ان کی کتاب کا ایک حصہ ''اوراق بردیہ'' پر بروایت عبدالمنعم بن بنت وھب جرمنی کے شہر ھیڈل برگ سے شائع کر دیا ہے۔

(۳۵) ایضاً، ص۶۵۔

(۳۶) ان کی سیرت الرسول کے دو اجزاء جامعۃ القرویین سے ملے ہیں، جنہیں ڈاکٹر فاروق حمادہ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسماعیل الذکاء نے امام ابن شہاب الزہری کی مختلف کتب میں موجود روایات کو ایک مجموعے میں طبع کر دیا ہے۔

(۳۷) ان کی کتاب مغازی الواقدی ڈاکٹر مارسڈن جونز کی تحقیق کے ساتھ تین جلدوں میں لنڈن سے شائع ہو چکی

ہے۔

(۳۸) عبدالرزاق کی کتاب السیر ۃ، ان کی المصنف میں شامل ہے۔

(۳۹) جبکہ ابن سعد کی کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' بھی مطبوعہ صورت میں موجود ہے، جس کی زیادہ تر روایات انہوں نے اپنے استاد الواقدی سے کی ہیں، جسے انہوں نے ایک سو تینتالیس (۱۴۳) مقامات پر نقل کیا ہے (دیکھیے مقدمہ الطبقات، از زیاد محمد منصور (ص ۵۱)۔

(۴۰) ابن عائذ کی کتاب بھی موجود ہے، لیکن وہ تاہنوز موزۂ بریطانیہ میں مخطوطے کی صورت میں ہے۔

(۴۱) ابن ابی شیبہ کی کتاب تاریخ ابن ابی شیبہ بھی مخطوط صورت میں موجود ہے، اس کا ایک نسخہ جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ کی لائبریری میں مخطوط صورت میں ہے۔

(۴۲) دیکھیے مہدی رزق اللہ، ص ۶۵۔۶۶۔

(۴۳) جمع واعداد وتحقیق ڈاکٹر سید جعفر مصطفیٰ سبیہ، تقریظ صاحب المعالی السید حسن کتبی، وزیر الاوقاف سابقاً، نظر ثانی ڈاکٹر زہیر الخالد مطبوعہ المکتبہ المکیہ، مکۃ المکرمہ، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء۔

(۴۴) ایضاً، ص ۶۷۔

(۴۵) ایضاً حضرت ابان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مغازی پر ایک مستقل کتاب بھی مرتب کی تھی، مگر وہ اموی حکمرانوں کے تعصب کا شکار ہوگئی (دیکھیے ان کے حالات زندگی)۔

(۴۶) موسوعہ سیرت خیر الانام، اعداد وتحقیق، السید جعفر مصطفیٰ سبیہ، المکتبہ المکیہ، مکۃ المکرمہ، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء ص: ۶۶۔۷۰۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆